مولانا سمیع الحق

شیعہ نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ!

اخبارات میں شیعہ نصاب دینیات کی علیحدگی کی خبریں آچکی ہیں اور یہ بھی کہ عنقریب نئے نصاب کو جاری کر دیا جائے گا۔ مزید یہ کہ تاریخِ اسلام کو نئے سرے سے مرتب کر کے شاملِ نصاب کیا جائے گا۔ پاکستان کی نوے بچانوے فیصد آبادی اہلسنت والجماعت کی اکثریت اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم اور اہلِ علم، صاحبِ فکر طبقے اس فیصلہ کے ہولناک نتائج کو دیکھتے ہوئے جتنے بھی پریشان ہوں کم ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس فیصلہ کے بعض دور رس اور خطرناک نتائج پر روشنی ڈالی جائے۔ مقصد ملک کی سالمیت اور ملی یکجہتی ہے اور تمنا ملک کی گاڑی کو اس مہلک راہ سے بچانے کی ہے جس پر اس ناعاقبت اندیشانہ فیصلہ کی صورت میں ملک کو ڈالا جارہا ہے۔

ملک کے سیاسی تقاضوں، اقتصادی ضرورتوں اور سوادِ اعظم کے دینی اور معتقداتی نزاکتوں کے لحاظ سے حکومت کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ ایسے اہم مسئلہ پر عجلت میں کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے اکثریتی طبقہ سُنی مسلمانوں کو اعتماد میں لے اور ان کے معتمد علماء اور اربابِ فکر سے مشورہ کرلے۔

۱

سیاسی لحاظ سے ملک کو اس وقت جس فکری سلامتی، اتحاد اور قومی یکجہتی اور نظریاتی یگانگت کی ضرورت ہے، اتنی کبھی نہ تھی۔ ملی اتحاد پر آئندہ رہے سہے ملک کی بقاء کا دارو مدار ہے۔ اب تک خوش قسمتی سے شیعہ سنی طبقوں میں یہ فضا قائم رہی، باہمی منافرت اور رجنبیت کا احساس یا شدتِ احساس کم ہی رہا۔ سنی مسلمانوں نے تو تحریکِ پاکستان کے آغاز سے لے کر اب تک اس سلسلہ میں نہایت فراخدلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا۔ اور بارہا اپنی قسمت کی باگ ڈور بھی ایسے ہاتھوں

ہیں وسعتِ کہ مضائقہ محسوس نہ کیا، جن ہاتھوں نے آگے چل کر ملت مسلمہ کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہ اٹھائی۔ اور بالآخر مسلمانوں کے اس حصار کو پاش پاش کر کے ہی چھوڑا۔ بہر حال اس باہمی رواداری اور حسنِ معاشرت میں بنیادی عامل موجودہ متحدہ دینی نصاب ہی رہا کہ سکول اور تعلیم گاہ کے ماحول میں بچوں کے اذہان ایک دوسرے سے علیحدگی اور جداگانہ گروہی وجود کی تربیت سے محفوظ رہے اور اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے کہ بحمد اللہ قیامِ پاکستان کے بعد ہمارے تعلیمی ادارے شیعہ سنی نظریاتی تصادم کی لپیٹ میں نہیں آئے اور نہ اکثریتی فرقہ کی دینیات شیعہ طبقوں کے جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ بنی۔ تعلیمی اداروں سے باہر بھی ہماری زندگی اس کھچاؤ سے کافی حد تک محفوظ رہی۔ بلکہ تعلیمی نصاب اور نظام کی یگانگت کافی حد تک بچوں کے ناپختہ اذہان میں باہمی الفت و تعلق اور نظریاتی اعتدال پیدا کرنے کا موجب بنتی رہی۔ اب جب نصاب کی علیحدگی کی صورت میں بچپن ہی سے بچوں کے اذہان میں ان کے جداگانہ تشخص، جداگانہ خیالات اور نظریات اور علیحدہ علیحدہ حیثیت کا شعور اجاگر کیا جائے گا تو یہ احساسِ علیحدگی آگے چل کر باہمی منافرت کی کتنی خطرناک شکل اختیار کر جائے گی اور قومی یک جہتی اور فکری یگانگت کس بے دردی سے انتشار و افتراق میں بدل جائے گی۔

۲

پھر دیکھئے کہ علیحدگی کا یہ سلسلہ آخر کہیں جا کر رُک بھی سکے گا یا نہیں؟ اس ملک میں دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والی کئی غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں جو شیعہ حضرات کے ایسے مطالبات کے حق میں دیئے گئے دلائل سے زیادہ وزنی دلائل کے ساتھ ایسے مطالبات کر سکتی ہیں پھر کیا ہمیں ان مٹھی بھر اقلیتوں، ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی، بہائی، قادیانی، ہر فرقہ کی خواہش پر نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کی از سرِ نو تنظیم کرنا ہوگی۔ ایک دفعہ ایک نہایت نامعقول رسم ڈالنے کے بعد ہم ایسے مطالبات کو کس طرح ناقابلِ تسلیم اور نامعقول کہہ کر مسترد کر سکیں گے۔ اتحاد کی رسی ہاتھ سے چھوٹ جانے کے بعد ملک و ملت کی شیرازہ بندی کس بنیاد پر ممکن ہو سکے گی؟

۳

شیعہ حضرات اگر اس طرح اپنا ایک علیحدہ تشخص قائم کرنے پر بضد ہیں تو یہ بنیادی سوال اٹھ سکتا ہے کہ کیا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں میں سے ایک جداگانہ قومیت تصور کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں اب تک نہایت فراخ دلی بلکہ مسرفانہ رواداری کے نتیجہ میں ملک کے بعض حصوں کے نصاب

تعلیم سے حضرت ابوبکرؓ اور فاروقِ اعظم جیسے قابلِ فخر رہنماؤں کے احوال و سوانح بھی حذف کئے جا چکے ہیں اور سُنّی اپنی روایتی وسعتِ ظرف یا ملّی بے حسی کی وجہ سے یہ سب کچھ گوارا کرتے چلے آ گئے ہیں لیکن کیا شیعہ حضرات کے موجودہ مطالبات کے بعد یہ سوال نہیں پیدا ہو سکتا کہ جب اکثریت انہیں اپنی طرح مسلمان سمجھتی ہے تو یہ لوگ بلاوجہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ کرانے پر کیوں بضد ہیں۔ شیعہ سُنّی معتقدات میں بعض اصولی اختلافات کے باوجود بعض شیعہ فرقوں کو چھوڑ کر عام طور پر اس اختلاف کو فروعی سمجھا جا رہا ہے (جبکہ بعض اخباری بیانات اور مراسلات میں شیعہ حضرات اسے اصول قرار دینے پر اصرار کر رہے ہیں)

۴

اگر فروعی اختلاف بھی اس علیحدگی کا سبب بن سکتا ہے تو خود اہل سنت کے اندر کئی مکاتب فکر ہیں جو آگے چل کر جداگانہ حقوق اور مطالبات کا ہنگامہ اٹھا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے لیکن کیا فروعی اختلاف کی وجہ سے دیوبندی اور بریلوی الگ الگ دینی نصاب کا مطالبہ نہیں کر سکیں گے؟

پھر حنفی اور غیر حنفی تقسیم کریں تو مقلد اور غیر مقلد کی بنیاد پر علیحدگی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ اہلحدیث ایک الگ جماعت ہے جو کسی امام کی مقلد نہیں۔

تقلید کے دائرہ میں بھی یہاں دیگر ائمہ کرام کے پیرو موجود ہیں۔ شافعی بھی ہیں، مالکی اور حنبلی بھی۔ کیا ہمیں ان سب کی خاطر الگ الگ نصاب بنانا پڑے گا؟ اور سب کے لئے مساجد اور مدارس، امامت اور خطابت اور ملک کے قانون و آئین میں الگ الگ انتظامات کرنے ہوں گے؟ اور کیا کسی بھی مختلف مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے دو چار افراد کی خاطر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی دینیات، ان کی فقہ اور ان کے آئین و قانون کو مشقِ ستم بنایا جائے گا؟

اگر شیعہ فروعی اختلاف کی بنا پر علیحدگی کے حقدار ہیں تو خود شیعوں کے اندر آپس میں کتنے فروعی بلکہ اصولی اختلافات موجود ہیں۔ پھر کیا وہ اپنے دیگر مکاتیبِ فکر اور گروہ در گروہ فرقوں کو بھی علیحدگی کا یہ حق دینے پر تیار ہوں گے؟

۵

عقائد اور نظریات کے لحاظ سے اس فیصلے کا جائزہ لیں تو نہیں کہا جا سکتا کہ اہلسنت والجماعت

اس صورتِ حال کو کس طرح برداشت کر سکیں گے۔ جہاں تک اہلسنت کا تعلق ہے، وہ تمام صحابہؓ کو سرچشمۂ ہدایت اور معیارِ حق سمجھتے ہیں۔ بالخصوص شیخین (صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ) کی افضلیت انکا عقیدہ ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ بشمول حضرت علیؓ، حضرت حسنینؓ) کی عظمت و حرمت اور ان کی تعدیل و تقدیس جزوِ ایمان سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ اہل بیت اطہار و ابرار کی قدر و منزلت ان کے ہاں لازمۂ ایمان ہے۔ الغرض یہاں مثبت ہی مثبت پہلو ہے۔ منقیانہ ذہنیت کی کوئی بات نہیں۔ حضرت علیؓ کی حیثیت سُنّی نصاب میں خلیفۂ راشد کی ہے۔ فاطمۂ بتولؓ کی حرمت پر مر مٹنا سعادتِ دارین اور ازواجِ مطہرات اور تمام صحابہ کرام میں سے کسی بھی صحابی کی بے ادبی کرنا، ضیاعِ ایمان، حبطِ اعمال اور دائمی خسران کا باعث سمجھتے ہیں۔ الغرض سنی نصاب میں اہل بیت اور ائمۂ اطہار کی ادنیٰ گستاخی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس نصاب میں نہ کسی کو غاصب کہا جاتا ہے، نہ کسی کے حق کو غصب شدہ خیال کیا جاتا ہے۔ نہ کوئی ظالم ہے نہ مظلوم۔ سب ابرار و اخیار، مقرب بارگاہِ خداوندی اور "رحماء بینھم" کے مصداق ہیں۔

موجودہ مروجہ نصابِ دینیات کی کسی کتاب کے کسی ورق اور کسی سطر سے شیعہ حضرات کی دل آزاری ہو جانے کی مثال نہیں دی جا سکتی۔

اب شیعہ معتقدات کو دیکھئے تو وہ سراسر اس کے خلاف ہیں۔ ان کے علمی اور دینی لٹریچر میں چند ایک حضرات کو چھوڑ کر صحابہؓ کی اکثریت اسلام اور ایمان کے معیار پر بھی پوری نہیں اتری (معاذ اللہ) صدیقؓ فاروقؓ اور عثمان غنیؓ سمیت تمام صحابہ انکے نزدیک (نعوذ باللہ) غاصب اور ظالم تھے۔ حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) کے بارہ میں ان کے عقائد کو کوئی غیور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ خلافت میں ان کے ہاں صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی حیثیت ثانوی ہے۔ تقیہ (بوقتِ ضرورت جھوٹ) اور متعہ (مرد و زن کی باہمی رضامندی سے بغیر نکاح شہوت رانی) ان کے دین کے بنیادی اصول ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تبرّا بازی ان کا دین ہے۔ عقیدہ "بدا" قرآن کی اہمیت اور شریعت کے ناقابلِ تنسیخ ہونے کی سراسر نفی کرتا ہے اور اسی طرح بیسیوں دیگر مسائل اور نظریات ہیں جو ان کے ہاں دین کی اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہاں ان نظریات کی اچھائی یا برائی کی بحث میں پڑے بغیر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا اہل سنت مسلمان اپنے نونہالوں کے لئے ایک ہی سکول کی ایک ہی کلاس کی ایک ہی صف میں ایسی کتابوں، ایسے لٹریچر، اور ایسے اساتذہ

کی ایسی تعلیمات کو ایک لمحہ کیلئے گوارا کر سکیں گے جن میں ان کے محبوب اسلاف پر تبرا بازی کی گئی ہو، انکو ظالم اور غاصب کہا گیا ہو۔ تقیہ اور متعہ کی شکل ان کے بچوں کی اخلاقی اور سماجی حالت کی تباہی کا خطرہ ہو؟ آگ اور پانی کا نباہ بہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ کیا اس طرح ہر سکول کے اکثریتی طبقہ کے بچوں کے دینی جذبات اور معتقدات مجروح نہیں ہوں گے؟ اس کا نتیجہ جس ہولناک اور بھیانک شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے، چند وقتی مصلحتوں کی خاطر اس سے صرفِ نظر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ حقیقت بین نگاہوں کا یہ اندازہ بجا طور پر درست ہے کہ اس طرح پوری سنی آبادی شیعہ معتقدات کی لپیٹ میں آسکتی ہے اور شیعہ عقائد کی بنیادی اور اہم سطح پر اشاعت اور تبلیغ کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ پوری امتِ مسلمہ چند گنے چنے حضرات کی خاطر شیعیت کی بھینٹ نہیں چڑھائی جا سکتی۔

۶

اگر شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نصاب میں ایسی کوئی دلآزاری کی بات نہیں ہوگی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر نصاب کی علیحدگی کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے؟ اگر نصاب ایسے اختلافی مسائل اور معتقدات سے دور رکھتا ہے تو پھر کروڑوں روپے کا بوجھ ڈال کر الگ نصاب جاری کرنے میں انکا مقصد کیا رہ جاتا ہے۔ بہرحال ایک دفعہ الگ نصاب کی داغ بیل ڈال دینے کے بعد اس کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ اسے سنی بچوں کے عقائد و قلوب کو ان آزادانہ آلائشوں سے دور رکھا جا سکے گا؟

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ کیا علیحدگی کا یہ مطالبہ صرف نصابِ تعلیم تک محدود رہ سکتا ہے؟ شیعہ کے مطالبات میں اوقاف کی علیحدگی بھی شامل ہے۔ تبرا بازی (بر سر عام صحابہؓ پر سب و شتم) کی کھلی چھٹی دیئے جانے پر اصرار ہے۔ عزاداری کی کھلی آزادی کا مطالبہ ہے۔ آگے چل کر ان مطالبات کا دائرہ اور وسیع ہو سکتا ہے۔ فوج کے ہر یونٹ میں دو ایک شیعہ افراد کے لئے وہ سنی امام اور خطیب کے ساتھ شیعہ مجتہد اور امام کا بھی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح فوج بھی نظریاتی جنگ و جدال کا اکھاڑہ بن سکتی ہے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دیگر غیر مسلم اقلیتیں اور قادیانی بھی فوج میں اپنے مذہبی مطالبات کے لئے الگ انتظام اور الگ الگ محکموں کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ ہماری ذاتی معلومات کی بنا پر فوج کے ایک ذمہ دار عیسائی افسر نے ہر یونٹ میں مسلمان عالم کے ساتھ ایک پادری کے تقرر

کی خواہش ظاہر کر بھی دی ہوئی ہے۔ قادیانیوں کو حکومت اور فوج میں جو عمل دخل اور رسوخ حاصل ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اس رسوخ کی بنا پر مرزائی اپنے مبلغین کی تقرری کا سوال بھی اٹھا سکتے ہیں کہ یہ صورتِ حال ملک کے دفاع، سالمیت اور افواج کی یک جہتی اور باہمی یگانگت کے لئے مضر نہیں ہوگی؟ مزید آگے چل کر شیعہ اقلیت اپنے لئے سُنّی آبادی کے ہر محلہ اور گاؤں میں الگ امام اور مجتہد کی تقرری کا ناقابلِ برداشت بوجھ بھی محکمۂ اوقاف پر ڈال سکتی ہے۔

۸

آزادی رائے اور سیکولر ذہنیت سے متاثر اذہان کو شاید یہ صورتِ حال بہت پسند آئے کہ ہر سکول اور تعلیمی ادارہ میں نوے پچانوے فیصدی اکثریت سنی مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ دس اقلیتی بچوں کی خاطر پانچ دس الگ الگ نصاب بھی رکھے جائیں لیکن اس طرح اس نظریہ کا کیا حشر ہوگا جو قیامِ پاکستان کا باعث بنا اور جسے کافی حد تک ہم خود اپنی ستم کاریوں سے نیم مردہ اور بے جان کر چکے ہیں یعنی دو قومی نظریہ۔ ملک جس اکثریت کے نام پر بنا ہے، اگر پاکستان میں اس اکثریت اور مجارٹی کو تعلیم جیسے بنیادی مسئلہ میں قوتِ حاکمہ کی حیثیت حاصل نہیں ہونی تھی اور اسے چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کے مساوی حصہ دینا تھا تو کیا یہ مقصد ایک متحدہ سیکولر سٹیٹ کی شکل میں حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیا مسلمان برصغیر کی اقلیت رہ کر اس طرح کے مطالبات سے اپنے الگ تشخص کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس بلاشبہ اگر یہاں مجارٹی اور منارٹی کا کوئی امتیاز نہیں ہے تو مسلمانوں کو ایک مستقل ریاست کے نام پر تاریخ کی لامثال قربانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا؟ الغرض جب ملک اکثریت کے نام پر بنا ہے اقلیتی طبقات کے نام پر نہیں بنا تو ایسے فیصلے ملک کی رہی سہی اساس اور بنیاد دو قومی نظریہ کو منہدم کرنے کے مترادف ہوں گے۔

۹

بلاشبہ ایک اسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں کو اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے اور اپنے کلچر و تمدن کو برقرار رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ اگر شیعہ وغیرہ کو سنی نصابِ تعلیم پر اعتماد نہیں تو اپنے لئے پرائیویٹ اداروں اور تعلیم گاہوں کی شکل میں اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ کوئی اسلامی مملکت انہیں نہیں روکتی لیکن وہ اس آڑ میں پورے ملک کے دینی نصاب کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتے۔ نہ اکثریت پر اپنے عقائد کی تبلیغ کا جبری راستہ نکال سکتے ہیں۔

بھارت کی مثال ہمارے سامنے ہے جو نام نہاد سیکولر اسٹیٹ ہونے کا دعوےدار ہے لیکن وہاں کے اداروں کے نصاب میں ہندوانہ ذہنیت اور ہندو رسم و رواج اور تعلیمات سے مسلمان بچوں کے دین کو خطرہ لاحق ہوگیا تو مسلمانوں نے اس کے لئے الگ مکاتب کھولے، پرائیویٹ ادارے قائم کئے مگر وہ بھارت کو مجبور نہیں کر سکے کہ ان کے لئے ہر سکول اور ادارہ میں الگ نصاب رکھا جائے

اس سے زیادہ قابل توجہ مثال ہمارے پڑوسی شیعہ مملکت ایران کی ہے - وہاں سنی مسلمان ۱۸٪ ہیں لیکن کیا وہاں کی حکومت سنیوں کے لئے علیحدہ دینیات جاری کر سکے گی - اس طرح عراق میں اور شام کے دروزی شیعہ قبائل بعض جگہ ۲۲٪ ہیں مگر کسی جگہ بھی الگ نصاب کا نہ مطالبہ ہوا نہ اس پر توجہ دی گئی - ایران کے ۱۸٪ سنی اگر اس کے مستحق نہیں ہو سکتے تو یہاں کے ۵٪ شیعہ کس بنیاد پر اس مطالبہ میں حق بجانب ہو سکتے ہیں -

اقتصادی اور معاشی لحاظ سے اس فیصلہ کا جائزہ لیجئے تو کیا ایک ایسا ملک جس کی ۷۵ فیصد آبادی اقتصادی بدحالی اور پس ماندگی کی وجہ سے لازمی بنیادی تعلیمی سہولتوں سے بھی محروم ہے، جہاں کی دور افتادہ دیہاتی آبادیاں پرائمری تعلیم سے بھی ناآشنا ہیں کہیں ایسے دوہرے نصاب اور نظام تعلیم کا متحمل ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے مصارفِ تعلیم دوگنا ہو جائیں - ہم موجودہ سکولوں کو فرنیچر بنیادی سامان اور ضروری اسٹاف مہیا نہیں کر سکتے تو چند ایک بچوں کی خاطر الگ نصاب، اس کے لئے الگ اساتذہ اور کتابوں کے اخراجات کہاں سے پورے کر سکیں گے؟ ان عظیم اخراجات اور مصارف کے نتیجہ میں فائدہ کتنا حاصل ہوگا؟ ہمارے خیال میں ملک کے ۷۰ فیصدی بالخصوص دیہاتی آبادی ایسی ہے جہاں کسی سکول میں آپ کو ایک شیعہ بچہ بھی نہیں مل سکے گا - ۳۰ فیصد تعلیمی ادارے اور اسکول ایسے ہوں گے جہاں ایسے بچوں کی شرح دس ٪ سے کسی طرح زیادہ نہیں ہوگی لیکن ایک عام پالیسی کے تحت ہر سکول کو نہ صرف دو نصاب فراہم کرنے ہوں گے - بلکہ متضاد نظریات اور تعلیم کے لئے الگ الگ اساتذہ بھی - اس لئے کہ نہ تو کوئی سنی شیعہ نصاب پڑھانے پر آمادہ ہوگا نہ شیعہ حضرات ایسے اساتذہ سے پڑھنا گوارا کریں گے - پھر جب دینیات کے اساتذہ دونوں نصابوں کے لئے ضروری ٹھہرے تو فرض کیجئے کہ ملک کی ۹۵٪ آبادی کیلئے ہمیں دس ہزار اساتذہ رکھنے ہوں گے تو ہم اتنی ہی تعداد ۵٪ آبادی کے لئے بھی رکھنے پر مجبور ہوں گے - یہ صورت حال ملازمتوں کے تناسب سے بھی کتنی قابلِ افسوس ہوگی -

۱۰

ایک اور زاویہ سے دیکھئے تو قومی یک جہتی کے ساتھ حکومت کی دورخی پالیسی پر محو حیرت ہوئے بغیر تو نہیں رہ سکیں گے کہ جب مسلمانوں کی اکثریت ایک مدت سے قادیانیوں کو الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتی ہے تو اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا ہے کہ اس طرح قومی اتحاد مجروح ہوتا ہے اور افتراق و انتشار کی راہ کھلتی ہے۔ یہاں تک کہ قادیانیوں کو دانستہ یا نادانستہ تحفظ دینے کی خاطر آئین میں نہایت اصولی مطالبہ "مسلمان کی تعریف اور مسلم کا تعین اور تشخص" کو بھی بڑی بے دردی سے ٹالا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف ایک ایسے فرقہ کو علیحدگی کی راہ پر ڈالا جاتا ہے جبکہ علیحدگی کا مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے کبھی نہیں ہوا بلکہ وہ اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ پہلا مطالبہ قادیانیوں کی علیحدگی، قومی یک جہتی کے تحفظ اور سالمیت کی خاطر نہایت اصولی، معقول اور ضروری ہے جبکہ دوسرے مطالبے (شیعوں کی علیحدگی) سے قومی یک جہتی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ گویا نہ تو قومی اتحاد برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے مطالبات قابل اعتنار ہیں اور نہ اس کے توڑے جانے پر مسلمانوں کے اندیشے لائق التفات ہیں۔ ایسی دورنگی اور دورخی پالیسی پر سوائے حیرت کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

۱۱

شیعہ حضرات اس کے ردعمل پر بھی غور کریں۔ اگر سنی بھی ایسے مطالبات شروع کریں کہ شیعہ کے الگ تشخص کی وجہ سے انہیں سول سروس فوج وغیرہ کی ملازمتوں اور دیگر حقوق و رعایات میں شرح آبادی کے تناسب سے کوٹہ مقرر کیا جائے۔ کیا اس مطالبہ کو نامعقول کہا جا سکے گا۔ اس طرح اگر شیعہ اہل سنت سے اپنے اختلافات کو اصولی قرار دینے پر مصر ہے تو مسلمانوں کے لئے سوچنا ہوگا کہ ایسے اصولی اختلافات کے ساتھ کوئی شخص اسلام کے دائرہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں یا ایسے اصولی اختلافات کے ہوتے ہوئے کوئی اقلیت ملک کے کلیدی مناصب بشمول صدارت وغیرہ پر فائز رہ سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کے بے شمار مسائل اس کے ردعمل میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ شیعہ حضرات شاید اسے گھاٹے کا سودا سمجھ کر پچھتانے لگ جائیں مگر موقع ہاتھ سے جا چکا ہو۔

۱۲

آخر میں اس فیصلہ کو قابلِ عمل ہونے کے لحاظ سے دیکھئے کہ یہ جبری طور پر کہاں تک نافذ ہو سکتا

ہے، میرے خیال میں تعلیم کا مسئلہ زیادہ تر صوبائی حکومتوں سے وابستہ ہے۔ فرض کیجئے صوبہ سرحد یا بلوچستان اور ان کی دیکھا دیکھی کوئی اور صوبہ جداگانہ نصاب کے اس فیصلہ کو مسترد کر دیتا ہے، تو مرکز اسے جبراً ٹھونس کر کتنے خطرات میں ملک کو ڈال سکتا ہے۔ اور اگر صوبائی حکومتیں اسے نافذ کر بھی دیں لیکن جیسا کہ شیعہ حضرات کو اپنے عقائد اور نظریات عزیز ہیں، گروہی جمیت انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی، سنی مسلمانوں بچوں اور تعلیمی اداروں کے اہل سنت نوجوانوں میں دینی وملی احساسات کا شعور پیدا ہوا اور ۹۵ فیصد لڑکوں نے اس فیصلہ کو مسترد کرنا چاہا تو ملک کے امن وامان کا کیا بنیگا جس کی ملک کو تعمیرِ نو کے موقع پر نہایت اشد ضرورت ہے۔

ان خطرات کو دیکھتے ہوئے ملت کے اتحاد اور سالمیت کی خاطر ہماری درد مندانہ گزارش ہے کہ اس فیصلہ پر نظرِ ثانی کر کے ملک کو منافرت، افتراق اور خانہ جنگی کے اور راستوں پر نہ ڈالا جائے۔

پہلے سے لسانی، علاقائی اور قومی مسائل کا عفریت ہمیں ہڑپ کر رہا ہے۔ اگر ملت کی ... شیرازہ بندی کرنے کے بجائے ایسے دیگر مسائل کو ہوا دی گئی تو اسے کسی سوچی سمجھی سازش کی ایک کڑی ہی سمجھا جائیگا اور ملک کے باشندوں میں باہمی اعتماد اور خیر سگالی کی فضا قائم رکھنی مشکل ہو جائے گی۔ خدا اس روزِ بد اور اس کے نتائج سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!